دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورَةُ البقرة

آیات ۸ تا ۲۰

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِيْنَ (٨) يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (٩) فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ
مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (١٠) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (١١) اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (١٢) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ
اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (١٣) وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ
مُسْتَهْزِءُوْنَ (١٤) اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ (١٥) اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ
تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (١٦) مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ
نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ
ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (١٧) صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (١٨) اَوْ

كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ
بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ
مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾﴾

آیت ۸ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر بھی اور یومِ آخر پر بھی' مگر وہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں۔''

یہاں ایک بات سمجھ لیجیے! اکثر و بیشتر مفسرین نے اس تیسری قسم (category) کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے' اگرچہ یہاں لفظِ منافق یا لفظِ نفاق نہیں آیا۔ لیکن مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس کے بارے میں ایک رائے ظاہر کی ہے جو بڑی قیمتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں ایک کردار کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے' غور کرنے والے غور کرلیں' دیکھ لیں کہ وہ کس پر چسپاں ہو رہا ہے۔ اور جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں تو اِن میں شخصیات کی کردار نگاری کا یہ جو نقشہ کھینچا جا رہا ہے یہ بالفعل دو طبقات کے اوپر راست آ رہا تھا۔ ایک طبقہ علماءِ یہود کا تھا۔ وہ بھی کہتے تھے کہ ہم بھی اللہ کو مانتے ہیں' آخرت کو بھی مانتے ہیں (اسی لیے یہاں رسالت کا ذکر نہیں ہے)۔ وہ کہتے تھے کہ اگر سوا لاکھ نبی آئے ہیں تو ان سوا لاکھ کو تو ہم مانتے ہیں' بس ایک محمد (ﷺ) کو ہم نے نہیں مانا اور ایک عیسٰی (علیہ السلام) کو نہیں مانا' تو ہمیں بھی تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہاں جس انداز میں تذکرہ ہو رہا ہے اس سے ان کا کردار بھی جھلک رہا ہے اور روئے سخن بھی اُن کی طرف جا رہا ہے۔ مجھے یاد ہے دسویں جماعت کے زمانے میں دہلی میں مَیں نے جوتوں کی ایک دکان پر دیکھا تھا کہ ایک بہت بڑا جوتا لٹکایا ہوا تھا اور ساتھ لکھا تھا: .Free to Whom it Fits یعنی جس کے پاؤں میں یہ ٹھیک آ جائے وہ اِسے مفت لے جائے! تو یہاں بھی

ایک کردار کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔اب یہ کردار جس کے اوپر بھی فٹ بیٹھ جائے وہ اس کا مصداق شمار ہوگا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' زیادہ تر مفسرین کی رائے تو یہی ہے کہ یہ منافقین کا تذکرہ ہے۔لیکن یہ کردار بعینہٖ یہود کے علماء پر بھی منطبق ہو رہا ہے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ مدینہ منورہ میں نفاق کا پودا' بلکہ صحیح تر الفاظ میں نفاق کا جھاڑ جھنکاڑ جو پروان چڑھا ہے وہ یہودی علماء کے زیر اثر پروان چڑھا ہے۔جیسے جنگل کے اندر بڑے بڑے درخت بھی ہوتے ہیں اور ان کے نیچے جھاڑیاں بھی ہوتی ہیں۔تو یہ نفاق کا جھاڑ جھنکاڑ دراصل یہودی علماء کا جو بہت بڑا پودا تھا اُس کے سائے میں پروان چڑھا ہے اور ان دونوں میں معنوی ربط بھی موجود ہے۔

آیت ۹ ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ﴾ ''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں اللہ کو اور اہل ایمان کو۔'' يُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ ہے۔اس باب کا خاصہ ہے کہ اس میں ایک کشمکش اور کشاکش موجود ہوتی ہے۔لہٰذا میں نے اس کا ترجمہ کیا:''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں''۔

﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور نہیں دھوکہ دے رہے مگر صرف اپنے آپ کو۔'' یہ بات یقینی ہے کہ اپنے آپ کو تو دھوکہ دے رہے ہیں' لیکن یہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔سورۃ النساء کی آیت ۱۴۲ میں منافقین کے بارے میں یہی بات بڑے واضح انداز میں بایں الفاظ آئی ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ﴾

''یقیناً منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں' حالانکہ اللہ ہی انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے''۔

﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ''اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔'' یہ بات بہت اچھی طرح نوٹ کر لیجیے کہ منافقین کی بھی اکثریت وہ تھی جنہیں اپنے نفاق کا شعور نہیں تھا۔وہ اپنے تئیں خود کو مسلمان سمجھتے تھے۔وہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے

تھے کہ انہوں نے خواہ مخواہ اہلِ مکہ کے ساتھ لڑائی مول لے لی ہے' اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں امن کے ساتھ رہنا چاہیے اور امن و آشتی کے ماحول میں ان سے بات کرنی چاہیے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خیر خواہ ہیں' ہم بھلی بات کہہ رہے ہیں' جبکہ یہ بیوقوف لوگ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ کس سے ٹکرا رہے ہیں! ہاتھ میں اسلحہ نہیں ہے اور لڑائی کے لیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ تو بیوقوف ہیں۔ اپنے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ ہم تو بڑے مخلص ہیں۔ جان لیجیے کہ منافقین میں یقیناً بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جو اسلام میں داخل ہی دھوکہ دینے کی خاطر ہوتے تھے اور اُن پر پہلے دن سے یہ واضح ہوتا تھا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں' ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا محض لبادہ اوڑھا ہے۔ ایسے منافقین کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت ۷۲ میں آئے گا۔ لیکن اکثر و بیشتر منافقین دوسری طرح کے تھے' جنہیں اپنے نفاق کا شعور حاصل نہیں تھا۔

آیت ۱۰ ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''اُن کے دلوں میں ایک روگ ہے۔'' یہ روگ اور بیماری کیا ہے؟ ایک لفظ میں اس کو ''کردار کی کمزوری'' (weakness of character) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص وہ ہوتا ہے جو حق کو حق سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور پھر ''ہرچہ بادا باد'' (جو ہو سو ہو) کی کیفیت کے ساتھ اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو حق کو پہچان لینے کے باوجود ردّ کر دیتا ہے۔ اسے ''کافر'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ ایک شخص وہ بھی ہے جو حق کو حق پہچان کر آیا تو سہی' لیکن کردار کی کمزوری کی وجہ سے اس کی قوتِ ارادی کمزور ہے۔ ایسے لوگ آخرت بھی چاہتے ہیں لیکن دنیا بھی ہاتھ سے دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہاں کا بھی کوئی نقصان نہ ہو اور آخرت کا بھی سارا بھلا ہمیں مل جائے۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے دلوں میں ایک روگ ہے۔

﴿فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ''تو اللہ نے ان کے روگ میں اضافہ کر دیا۔'' یہ اللہ کی سنت ہے۔ آپ حق پر چلنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ حق کا راستہ آپ پر آسان کر دے

گا' لیکن اگر آپ برائی کی طرف جانا چاہیں تو بڑی سے بڑی برائی آپ کے لیے ہلکی ہوتی چلی جائے گی۔ آپ خیال کریں گے کہ کوئی خاص بات نہیں' جب یہ کر لیا تو اب یہ بھی کر گزرو۔ اور اگر کوئی بین بین لٹکنا چاہے تو اللہ اس کو اُسی راہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ ٹھیک ہے' وہ سمجھتے ہیں ہم کامیاب ہو رہے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو بھی دھوکہ دے لیا' وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور یہودیوں کو بھی دھوکہ دے لیا' وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے ساتھی ہیں۔ تو ان کا یہ سمجھنا کہ ہم کامیاب ہو رہے ہیں' بالکل غلط ہے۔ حقیقت میں یہ کامیابی نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ تباہ کن راستہ ان کے لیے آسان کر دیا ہے جو انہوں نے خود منتخب کیا تھا۔ ان کے دلوں میں جو روگ موجود تھا اللہ نے اس میں اضافہ فرما دیا۔

﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ ﴾ ''اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔'' اوپر کفار کے لیے الفاظ آئے تھے: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور یہاں عَذَابٌ اَلِيْمٌ کا لفظ آیا ہے کہ اُن کے لیے دردناک اور المناک عذاب ہے۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ ''بسبب اس جھوٹ کے جو وہ بول رہے تھے۔''

آیت 11 ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ مت فساد کرو زمین میں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مان لیا تو اب ان کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرو' انؐ کے پیچھے چلو۔ انؐ کا حکم ہے تو جنگ کے لیے نکلو۔ انؐ کی طرف سے تقاضا آتا ہے تو مال پیش کرو۔ اور اگر تم اس سے کتراتے ہو تو پھر جماعتی زندگی کے اندر فتنہ و فساد پھیلا رہے ہو۔

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ ''وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔'' ہم تو صلح کرانے والے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ لڑنا بھڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے' ٹکراؤ اور تصادم کوئی اچھے کام تھوڑے ہی ہیں۔ بس لوگوں کو ٹھنڈے ٹھنڈے دعوت دیتے رہو' جو چاہے قبول کر لے اور جو چاہے ردّ کر دے۔ یہ خواہ مخواہ دشمن سے ٹکرانا اور جنگ کرنا کس لیے؟ اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے قربانیاں دینے'

مصیبتیں جھیلنے اور مشقتیں برداشت کرنے کے مطالبے کا ہے کے لیے؟

آیت ۱۲ ﴿اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں' مگر انہیں شعور نہیں ہے۔'' یہی تو ہیں جو فساد پھیلانے والے ہیں۔ اس لیے کہ محمد ﷺ کی دعوت تو زمین میں اصلاح کے لیے ہے۔ اس اصلاح کے لیے کچھ آپریشن کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ مریض اس درجے کو پہنچ چکا ہے کہ آپریشن کے بغیر اس کی شفا ممکن نہیں ہے۔ اب اگر تم اس آپریشن کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہو تو درحقیقت تم فساد مچا رہے ہو' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ آیت کے آخری الفاظ ﴿وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ﴾ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ شعوری نفاق اور شے ہے' جبکہ یہاں سارا تذکرہ غیر شعوری نفاق کا ہو رہا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ' جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔'' آخر دیکھو' یہ دوسرے اہل ایمان ہیں' جب بلاوا آتا ہے تو فوراً لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں' جبکہ تم نے اور ہی روش اختیار کر رکھی ہے۔

﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ﴾ ''وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟'' منافقین سچے اہل ایمان کے بارے میں کہتے تھے کہ انہیں تو اپنے نفع کی فکر ہے نہ نقصان کی' نہ خطرات کا کوئی خیال ہے نہ اندیشوں کا کوئی گمان۔ جان' مال اور اولاد کی کوئی پروانہیں۔ یہ گھر بار کو چھوڑ کر آ گئے ہیں' اپنے بال بچے کفارِ مکہ کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے ہیں کہ سردارانِ قریش اُن کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں' تو یہ تو بیوقوف لوگ ہیں۔ (آج کل آپ ایسے لوگوں کو fanatics کہتے ہیں) بھئی دیکھ بھال کر چلنا چاہیے' دائیں بائیں دیکھ کر چلنا چاہیے۔ اپنے نفع و نقصان کا خیال کر کے چلنا چاہیے۔ ٹھیک ہے' اسلام دینِ حق ہے' لیکن بہرحال اپنی اور اپنے اہل و عیال کی مصلحتوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔ یہ لوگ تو معلوم ہوتا ہے بالکل دیوانے اور fanatics ہو گئے ہیں۔

﴿اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ وہی بیوقوف ہیں' لیکن انہیں علم نہیں۔'' وہ صادق الایمان جو ایمان کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت حاضر ہیں' ان سے بڑا عقل منداور ان سے بڑا سمجھ دار کوئی نہیں۔ انہوں نے یہ جان لیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' یہ زندگی تو عارضی ہے' تو اگر کل کے بجائے آج ختم ہو جائے یا ابھی ختم ہو جائے تو کیا فرق پڑے گا؟ یہاں سے جانا تو ہے' آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں' جانا تو ہے۔ تو عقل تو ان کے اندر ہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡاۤ اٰمَنَّا﴾ ''اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔'' عام یہودی بھی کہتے تھے کہ ہم بھی تو آخر اللہ کو اور آخرت کو مانتے ہیں' جبکہ منافق تو رسولؐ کو بھی مانتے تھے۔

﴿وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ﴾ ''اور جب یہ خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس۔'' یہاں ''شیاطین'' سے مراد یہود کے علماء بھی ہو سکتے ہیں اور منافقین کے سردار بھی۔ عبداللہ بن اُبی منافقینِ مدینہ کا سردار تھا۔ اگر وہ کبھی انہیں ملامت کرتا کہ معلوم ہوتا ہے تم تو بالکل پوری طرح سے مسلمانوں میں شامل ہی ہو گئے ہو' تمہیں کیا ہو گیا ہے تم محمد (ﷺ) کی ہر بات مان رہے ہو' تو اب انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے کہنا پڑھتا تھا کہ نہیں نہیں' ہم تو مسلمانوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں' ہم ان سے ذرا تمسخر کر رہے ہیں' ہم آپ ہی کے ساتھ ہیں' آپ فکر نہ کریں۔ منافق تو ہوتا ہی دو رُخا ہے۔ ''نفق'' کہتے ہیں سرنگ کو' جس کے دو راستے ہوتے ہیں۔ ''نافقاء'' گوہ کے بل کو کہا جاتا ہے۔ گوہ اپنے بل کے دو مُنہ رکھتا ہے کہ اگر کتا شکار کے لیے ایک طرف سے داخل ہو جائے تو وہ دوسری طرف سے نکل بھاگے۔ تو منافق بھی ایسا شخص ہے جس کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں منافقین کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ﴾ (آیت ۱۴۳)

یعنی کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں' مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں۔ نہ اِدھر کے ہیں

نہ اُدھر کے ہیں۔

لفظ ''شَیْطٰن'' کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ایک یہ کہ اس کا مادہ ''ش ط ن'' ہے اور دوسری یہ کہ یہ ''ش و ط'' مادہ سے ہے۔شَطَنَ کے معنی ہیں تَبَعَّدَ یعنی بہت دور ہو گیا۔ پس شیطان سے مراد ہے جو اللہ کی رحمت سے بہت دور ہو گیا۔ جبکہ شَاطَ یَشُوْطُ کے معنی ہیں اِحْتَرَقَ غَضَبًا وَحَسَدًا یعنی کوئی شخص غصے اور حسد کے اندر جل اٹھا۔اس سے فَعْلَان کے وزن پر ''شیطان'' ہے' یعنی وہ جو حسد اور غضب کی آگ میں جل رہا ہے۔ چنانچہ ایک تو شیطان وہ ہے جو جنات میں سے ہے' جس کا نام پہلے ''عزازیل'' تھا' اب ہم اسے ابلیس کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر یہ کہ دنیا میں جو بھی اُس کے پیروکار ہیں اور اس کے مشن میں شریک کار ہیں' خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے' وہ بھی شیاطین ہیں۔اسی طرح اہل کفر اور اہل زیغ کے جو بڑے بڑے سردار ہوتے ہیں ان کو بھی شیاطین سے تعبیر کیا گیا۔ آیت زیر مطالعہ میں شیاطین سے یہی سردار مراد ہیں۔

﴿ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو محض مذاق کر رہے ہیں۔'' جب وہ علیحدگی میں اپنے شیطانوں یعنی سرداروں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں' ان مسلمانوں کو تو ہم بیوقوف بنا رہے ہیں' ان سے استہزاء اور تمسخر کر رہے ہیں جو ان کے سامنے ''اٰمَنَّا'' کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ ''درحقیقت اللہ اُن کا مذاق اڑا رہا ہے اور اُن کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ اپنے عقل کے اندھے پن میں بڑھتے چلے جائیں۔'' اللہ تعالیٰ سرکشوں کی رسّی دراز کرتا ہے۔کوئی شخص سرکشی کے راستے پر چل پڑے تو اللہ تعالیٰ اسے فوراً نہیں پکڑتا' بلکہ اسے ڈھیل دیتا ہے کہ چلتے جاؤ جہاں تک جانا چاہتے ہو۔تو ان کی بھی اللہ

تعالیٰ رسّی دراز کر رہا ہے' لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اصل میں مذاق تو اللہ کے نزدیک اُن کا اڑ رہا ہے۔

لفظ ''یَعْمَھُوْنَ'' عقل کے اندھے پن کے لیے آیا ہے۔ اس کا مادہ ''ع م ھ'' ہے۔ آگے آیت ۱۸ میں لفظ ''عُمْیٌ'' آ رہا ہے جو ''ع م ی'' سے ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''عَمِہَ یَعْمَہُ'' بصیرت سے محرومی کے لیے آتا ہے اور ''عَمِیَ یَعْمٰی'' بصارت سے محرومی کے لیے۔

آیت ۱۶ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْھُدٰی ص﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی خرید لی ہے۔'' یہ بڑا پیارا اندازِ بیان ہے۔ ان کے سامنے دونوں options تھے۔ ایک شخص نے گمراہی کو چھوڑا اور ہدایت لے لی۔ اسے اس کی بھاری قیمت دینا پڑی۔ اسے تکلیفیں اٹھانی پڑیں' آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا' قربانیاں دینا پڑیں۔ اس نے یہ سب کچھ منظور کیا اور ہدایت لے لی۔ جبکہ ایک شخص نے ہدایت دے کر گمراہی لے لی ہے۔ آسانی تو ہوگئی' فوری تکلیف سے تو بچ گئے' دونوں طرف سے اپنے مفادات کو بچا لیا' لیکن حقیقت میں سب سے زیادہ گھاٹے کا سودا یہی ہے۔

﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ﴾ ''سو نافع نہ ہوئی ان کی تجارت ان کے حق میں اور نہ ہوئے راہ پانے والے''۔ ''رَبِحَ یَرْبَحُ'' کے معنی ہیں تجارت وغیرہ میں نفع اٹھانا' جو ایک صحیح اور جائز نفع ہے' جبکہ ''ر ب و'' مادہ سے رَبَا یَرْبُوْ کے معنی بھی مال میں اضافہ اور بڑھوتری کے ہیں' لیکن وہ حرام ہے۔ تجارت کے اندر جو نفع ہو جائے وہ ''رِبح'' ہے' جو جائز نفع ہے اور اپنا مال کسی کو قرض دے کر اُس سے سود وصول کرنا ''رِبا'' ہے جو حرام ہے۔

اب یہاں دو بڑی پیاری تمثیلیں آ رہی ہیں۔ پہلی تمثیل کفار کے بارے میں ہے اور دوسری تمثیل منافقین کے بارے میں۔

آیت ۱۷ ﴿مَثَلُھُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ج﴾ ''ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔''

﴿فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ﴾ ''پھر جب اُس آگ نے سارے ماحول کو روشن کر دیا۔''

﴿ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے ان کا نورِ بصارت سلب کر لیا۔''

﴿وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور چھوڑ دیا ان کو ان اندھیروں کے اندر کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔''

یہاں ایک شبِ تاریک کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ۔

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل!

اندھیری شب ہے۔ قافلہ بھٹک رہا ہے۔ کچھ لوگ بڑی ہمت کرتے ہیں کہ اندھیرے میں بھی اِدھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور آگ روشن کر دیتے ہیں۔ لیکن عین اُس وقت جب آگ روشن ہوتی ہے تو کچھ لوگوں کی بینائی سلب ہو جاتی ہے۔ پہلے وہ اندھیرے میں اس لیے تھے کہ خارج میں روشنی نہیں تھی۔ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں رہ گئے کہ خارج میں تو روشنی آ گئی مگر ان کے اندر کی روشنی گُل ہو گئی' ان کی بصارت سلب ہو گئی۔ یہ مثال ہے اُن کفار کی جو اسلام کی روشنی پھیلنے کے باوجود اس سے محروم رہے' محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے ہر سو تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی حقیقت واضح نہیں تھی۔ قافلۂ انسانیت اندھیری شب میں بھٹک رہا تھا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے آگ روشن کر دی۔ اس طرح ہدایت واضح ہو گئی۔ لیکن کچھ ضد' تعصب' تکبر یا حسد کی بنیاد پر کچھ لوگوں کی اندر کی بینائی زائل ہو گئی۔ چنانچہ وہ تو ویسے کے ویسے بھٹک رہے ہیں۔ جیسے پہلے اندھیرے میں تھے ویسے ہی اب بھی اندھیرے میں ہیں۔ روشنی میں آنے والے تو وہ ہیں جن کا ذکر سب سے پہلے ''الْمُتَّقِین'' کے نام سے ہوا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ''یہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' سو اب یہ نہیں لوٹیں گے۔'' اَصَمُّ بہرے کو کہتے ہیں' صُمٌّ اس کی جمع ہے' اَبْكَمُ گونگے کو کہا جاتا ہے' بُكْمٌ اس کی جمع ہے۔ اَعْمٰی اندھے کو کہتے ہیں' عُمْيٌ

اس کی جمع ہے۔ فرمایا کہ یہ بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' اب یہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ابوجہل' ابولہب' ولید بن مغیرہ اور عقبہ بن ابی معیط سب کے سب ابھی زندہ تھے جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں۔ یہ سب تو غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوئے جو سن ۲ ہجری میں ہوا۔ تو یہ لوگ اس مثال کا مصداقِ کامل تھے۔ آگے اب دوسری مثال بیان کی جا رہی ہے۔

آیت ۱۹ ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ﴾ ''یا اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بڑے زور کی بارش برس رہی ہے آسمان سے' اُس میں اندھیرے بھی ہیں اور گرج اور بجلی (کی چمک) بھی۔''

﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ ''یہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے اندر ٹھونسے لیتے ہیں مارے کڑک کے' موت کے ڈر سے۔'' یعنی اس ہیبت ناک کڑک سے کہیں اُن کی جانیں نہ نکل جائیں۔

﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ ایسے کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' وہ ان منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے' یہ بچ کر کہاں جائیں گے؟

آیت ۲۰ ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔''

﴿كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ﴾ ''جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں۔'' جونہی انہیں ذرا روشنی محسوس ہوتی ہے اور دائیں بائیں کچھ نظر آتا ہے تو کچھ دور چل لیتے ہیں۔

﴿وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا﴾ ''اور جب ان پر تاریکی طاری ہو جاتی ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔''

یہ ایک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ایک طرف بارش ہو رہی ہے۔ یعنی قرآن مجید آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ بارش کو قرآن مجید ''مَآءً مُّبٰرَكًا'' قرار دیتا ہے اور یہ خود

''كِتَابٌ مُّبَارَكٌ'' ہے۔لیکن یہ کہ اس کے ساتھ کڑ کے ہیں' گرج ہے' کفر سے مقابلہ ہے' کفر کی طرف سے دھمکیاں ہیں' اندیشے اور خطرات ہیں' امتحانات اور آزمائشیں ہیں۔ چنانچہ منافقین کا معاملہ یہ ہے کہ ذرا کہیں حالات کچھ بہتر ہوئے' کچھ breathing space ملی تو مسلمانوں کے شانہ بشانہ تھوڑا سا چل لیے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ جب وہ دیکھتے کہ حالات کچھ پُرسکون ہیں' کسی جنگ کے لیے بلایا نہیں جا رہا ہے تو بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے اور اپنے ایمان کا اظہار بھی کرتے' لیکن جیسے ہی کوئی آزمائش آتی ٹھٹھک کر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ﴾ ''اور اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا۔'' لیکن اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ فوری گرفت نہیں کرتا۔ اُس نے انسان کو ارادے اور عمل کی آزادی دی ہے۔ تم اگر مؤمنِ صادق بن کر رہنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ اُس روش کو تمہارے لیے آسان کر دے گا۔ اور اگر تم نے اپنے تعصب یا تکبر کی وجہ سے کفر کا راستہ اختیار کیا تو اللہ اُسی کو تمہارے لیے کھول دے گا۔ اور اگر تم بیچ میں لٹکنا چاہتے ہو ﴿ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ تو لٹکتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کو جبراً حق پر لائے گا اور نہ ہی کسی کو جبراً باطل کی راہ پر لے کر جائے گا۔ اس لیے کہ اگر جبر کا معاملہ ہو تو پھر امتحان کیسا؟ پھر تو جزا و سزا کا تصور غیر منطقی اور غیر معقول ٹھہرتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

سورۃ البقرۃ کے یہ ابتدائی دو رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں انسانی شخصیتوں کی تین گروہوں میں تقسیم کر دی گئی ہے' اور تاویلِ عام ذہن میں رکھیے کہ جب بھی کوئی دعوتِ حق اُٹھے گی' اگر وہ واقعتاً کُل کی کُل حق کی دعوت ہو اور اُس میں انقلابی رنگ ہو کہ باطل سے پنجہ آزمائی کر کے اسے نیچا دکھانا ہے اور حق کو غالب کرنا ہے' تو یہ تین قسم کے افراد لازماً وجود میں آ جائیں گے۔ ان کو پہچاننا اور ان کے کردار کے پیچھے جو اصل پس منظر ہے اس کو جاننا بہت ضروری ہے۔